مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں

محترم سید عزیز الرحمٰن (نائب مدیر: ششماہی السیرہ عالمی)

آج کل عام طور پر مسلمانوں خصوصاً مسلمانوں میں سے بھی مذہبی طبقے پر انتہا پسندی کا الزام عائد کیا جا رہا ہے، یہ الزام لگانے والے تاریخ کا یا تو بالکل علم ہی نہیں رکھتے، یا جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، حقائق کی اگر بات کی جائے تو صورت حال اس سے کہیں مختلف نظر آتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں مذہبی انتہا پسندی نہ تو مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہے، نہ اس کی تاریخ محض چودہ سو سال قدیم ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ خود مسلمان اس وبا کا سب سے زیادہ شکار ہوئے ہیں اور پھر لطیفہ یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات صرف اس طبقے میں ہی نہیں پائے جاتے جو اپنے آپ کو مذہبی کہلاتا ہے یا دوسرے حضرات اُسے مذہبی تصور کرتے ہیں، بلکہ ان رجحانات کا ایک بہت بڑا حصہ اس طبقے میں بھی پایا جاتا ہے، جو لامذہبیت کا دعوے دار ہے، یہ ایک عجیب صورتحال ہے، زیرِ نظر سطور میں اسی حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی: انتہا پسندی اور بنیاد پرستی مغرب کی جانب سے کی جانے والی تعریف کی رو سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام سن کر مسلمان کسی قسم کی شرمندگی یا احساس ندامت محسوس کریں، یہ ایک گلوبل حقیقت ہے، ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کیرن آرم اسٹرانگ کے بقول:

> ''بنیاد پرستی ایک عالمی حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندو مت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔'' (☆۱)

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقۂ فکر، ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آ گئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے، جب کہ بعض دوسری ان سے بڑی حقیقتیں مناسب کوریج نہ ملنے کے سبب پس منظر میں چلی گئی ہیں اور بدقسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے، جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہا پسندی خود اہل مذہب کے ساتھ خاص نہیں، درحقیقت جس طرح یہ انتہا پسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذاہب) کے

ہاں پائی جاتی ہے، اسی طرح لا مذہبیت کے دعوے دار اور سیکولرازم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں، آخر انہیں بھی تو انتہا پسند ہی کہا جائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ: ''خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ مزید ترقی نہیں کرسکتا، مافوق الفطرت طاقتیں اصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لیے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا، اس طرح ارتقائی مراحل سے گذر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور مفید تخیلات تھے، مگر اب جدید ترقی یافتہ عہد میں وہ اپنی ضرورت اور افادیت کھو چکے ہیں'' (☆۲) اور سائنس کا ایک پروفیسر کہتا ہے کہ ''سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور سب سے بدترین ڈھونگ تھا۔'' (☆۳) سیکولرازم اگرچہ اس دعوے کے ساتھ ابھرا تھا کہ کسی ملک کی اجتماعی پالیسی مذہبی امور میں عدم مداخلت کی بنیاد پر استوار کی جائے گی، مگر عملاً وہ ایک زبردست مخالف مذہب قوت بن گیا۔ (☆۴) ایسے میں کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ رائے کس قدر حقیقت پسندانہ اور گھر کی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے کہ ''مذہب نے ماضی میں ظلم وستم کیا ہے، تاہم سیکولرازم نے اپنی مختصر تاریخ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی متشدد نہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اکثر وبیشتر سیکولر جارحیت اور ایذا رسانی نے ہی مذہبی عدم رواداری اور نفرت میں اضافہ کیا ہے۔ (☆۵) دلچسپ بات یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کا باقاعدہ اور پہلی بار آغاز بھی عیسائیت ہی کی طرف سے کیا گیا، اس اصطلاح کو سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کیا تھا، بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعض نے زیادہ لبرل پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لیے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں لبرل پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ کر رہے تھے۔ (☆۶)

انتہا پسندی اور اسلام: دیکھا جائے تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے نرغے میں ہے اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جا رہا ہے، یہ صورت حال پوری دنیا میں ہے مگر مغرب کا رویہ خصوصیت سے افسوسناک اور قابل مذمت ہے، اس اعتبار سے بھی کہ انسانی حقوق رواداری، برداشت، تحمل اور اعتدال پسندی کی جن اعلیٰ وارفع روایات کا ان کی جانب سے دوسروں خصوصاً مسلمانوں کو درس دیا جا رہا ہے خود ان کے ہاں اس کے نصف حصے پر بھی عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا، وہ روادار ہیں لیکن صرف اپنے معاملات میں، وہ اعتدال پسند بھی ہیں مگر محض اپنوں کے لیے، دوسروں کے لیے ان کا رویہ قطعاً وہ نہیں جو ان کا اپنے شہریوں کے ساتھ ہے اور ان کے اقدامات کے غیر عادلانہ ہونے کے لیے یہی ثبوت کم نہیں۔

انتہا پسندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی قوم یہ تصور کر لے کہ نہ صرف حق اس کے پاس ہے بلکہ اس کے

لیے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور منوایا جائے، مذہب کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے، ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے (☆۷) اور موجودہ حالات میں پہلے افغانستان اور پھر عراق پر امریکی حملہ اس کی تازہ ترین مثال ہیں۔

اصل حقیقت: پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اگر بنیاد پرست اور قدامت پسند اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی سے گریزاں ہیں یا جدید اکتشافات وایجادات سے خوف زدہ ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کرتے ہیں اور قدیم انداز میں ہی رہنا اور زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں تو یہ الزام سراسر الزام ہی ہے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا، مسلمانوں میں ایسا کوئی گروہ، فرقہ یا ٹولہ موجود نہیں جو اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے نظریات یا خیالات رکھتا ہو، جبکہ اس کے برعکس خود عیسائیوں میں ایسے گروہ موجود ہیں جو محاورتاً نہیں حقیقتاً آج بھی جنگل کی زندگی کو نہ صرف پسند کرتے ہیں اور اس پر قانع ہیں بلکہ شہری تمدن کی تمام روایات، لوازم اور آسائشیں ان کے لیے ممنوع ہیں، مثال کے طور پر لنکاسٹر کاؤنٹی امریکہ کی ریاست پنسلوینیا میں ہے، یہاں آمش لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ بجلی، فون، گیس اور دیگر سائنسی سہولتیں استعمال نہیں کرتے، دستی آلات سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑا گاڑی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اور صدیوں پرانی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں، آمش لوگ تین سو برس قبل جرمنی سے امریکہ جا کر آباد ہوئے تھے، کٹر مذہبی لوگ ہیں، چرچ کی راہنمائی پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ میں رہنے کے باوجود اس نظام سیاست میں شریک نہیں ہیں، نہ ووٹ مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں، موم بتی اور لالٹین کی روشنی میں رہتے ہیں، مقامی سطح پر تیار کردہ گیس استعمال کر لیتے ہیں، عورتیں گھریلو زندگی بسر کرتی ہیں، مردوں کے لیے سیاہ لباس، ڈاڑھی اور سر پر ہیٹ پہننا لازمی ہے، فوٹو نہیں کھنچواتے اور نہ ہی گھر میں رکھتے ہیں۔ خچروں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑوں والی بگھی ان کا عام ذریعہ سفر ہے، دستی ہینڈ پمپ اور ہوائی پنکھوں سے چلنے والے نلکے ان کے ہاں پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، وہ صدیوں پرانی رسموں پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں، ان کی تعداد امریکہ میں نوے ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ چوبیس ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لنکاسٹر کاؤنٹی میں ان کا گاؤں ''انٹرکورس'' کے نام سے معروف ہے۔ (☆۸) اسلام کی آمد سے قبل دنیا جہاں ان گنت مصائب سے دوچار تھی وہیں مذہبی شدت پسندی بھی عروج پر تھی، اور مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ علامہ فرید وجدی کے بقول:

> ''مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے، وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کیے جاتے اور پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈال دیئے جاتے تھے، یا انکی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے، ان کو مدھم آگ پر کئی کئی

روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور انکی شور وفریاد اور آہ وفغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا اور چربی پگھل کر بہتی جاتی تھی۔" (☆۹)

آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف حکومتوں اور مذہبوں کا ماضی وحال میں اس حوالے سے کیا کردار ہے؟

روما: قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے، اس کے بارے میں دستیاب تفصیلات یہی بتاتی ہیں کہ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ مذہبی انتہاپسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے، تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحاد وارتداد کا فتویٰ دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ (☆۱۰) پھر رومی سلطنت میں ایک اور فتنہ عروج پر تھا، وہ تھا عیسائیوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم وشام کے ملکانی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Monophysites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بددین قرار دیتے رہے۔ (☆۱۱)

ایران: دوسری جانب اہل ایران نے قوم پرستی کو مذہب کا درجہ دے رکھا تھا اور یہ قوم پرستی اس انتہا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر قوم ونسل پر برتری حاصل ہے، اسی لیے یہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے لیے ایسے نام تجویز کرتے تھے، جن میں تمسخر اور تضحیک کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔ (☆۱۲)

ہندومت: ہندومت میں مذہب کی بنیاد طبقات پر ہے، اس بنا پر طبقاتی تقسیم اس کے ہاں سب سے زیادہ ہے، لیکن اس کی انتہاپسندی کا یہ عالم ہے کہ برہمن ہی کو سب اختیار حاصل ہیں، اس کے مقابلے میں شودر کا درجہ انسانیت سے بھی کم تر ہے، ہندومت کا مذہبی قانون منوشاستر کے نام سے معروف ہے، جسے منوجی نے مرتب کیا تھا، اس کے چند حصے ملاحظہ کیجیے تاکہ ہندومت کا یہ انتہاپسندانہ پہلو سامنے آسکے۔

❶ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے لیے ہے۔ (☆۱۳) ❷ برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگرچہ برہمن دنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے، تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل ہے۔ (☆۱۴) ❸ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے اور شودر اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لیے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ (☆۱۵) ❹ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تناسل ہے، لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہیے، اس لیے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔ (☆۱۶) ❺ جو شودر با آواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچے ہے تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی

چاہیے۔(☆۱۷)

اس کے علاوہ ہندومت کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کافی نمایاں ہیں، سوامی دیانند کے الفاظ دیکھیے۔ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کردو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔(☆۱۸) اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشوراو بلی رام کی اس رائے سے کیجیے، وہ کہتا ہے: ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔(☆۱۹) ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا! بلاشدہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہوسکتی ہے، جب تک سب مسلمان شدھ ہوکر ہندو نہ ہوجائیں۔(☆۲۰) ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے واردھا منصوبہ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا، جس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا۔ صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے۔(☆۲۱) ہندوؤں کا یہ اچھا عدمِ تشدد تھا جس میں جبراً ایک ایسے مذہب کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جارہا تھا۔ جو بت پرستی کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کا عملی دعویٰ رکھتا ہے۔

عیسائیت: عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصہ برمحل ہے کہ! عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح وآتشی، عفوودرگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفوودرگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں کے لیے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذاء کا، دوسرا ناقابلِ برداشت جسمانی اذیت کا۔(☆۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کردیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کرکے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔(☆۲۳) عیسائیت نے اسلام سے قبل یہودیوں کو بھی اپنے جبر کا نشانہ بنایا اور پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں

کے ایما پر مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔(☆۲۴)

اسی طرح تاریخ ہسپانیہ اور سانحہ سقوط غرناطہ کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے جہاں عیسائیت کو یورپ کے قلب میں مسلمانوں کا وجود تک برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب کو اس امر کا خود اعتراف ہے کہ اس نے علوم وفنون میں ہسپانیہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے، معروف مسلم دانش ور محمد مارماڈیوک پکتھال کا تبصرہ اس معاملے میں مکمل طور پر مبنی برحقیقت ہے وہ کہتے ہیں: کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً ومعناً اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔(☆۲۵)

عیسائیت کی مذہبی انتہا پسندی کا بیان صلیبی جنگوں کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا، یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے ساتویں صدی میں شام کو فتح کر لینے کے بعد تین صدیاں صلح وامن سے گزریں، اس کے بعد ترک حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ رومن شہنشاہوں سے لے لیا۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کا یہ اولین محرک تھا، شہنشاہ الیکسز (Alexis) یوں تو اپنے مغربی عیسائی بھائیوں سے میل جول نہیں رکھتا تھا، لیکن اس موقع پر اس نے ان سے تعاون کی درخواست کردی، اس وقت اطالویوں نے ایشیائے کوچک اور فلسطین کے ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، انہیں اپنی مقبوضات کی فکر دامن گیر ہوئی، انھوں نے ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کے بقول ''مسلمانوں کے ظلم اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں مشہور کردیں اور یوں یورپ میں جوش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔''(☆۲۷) جب انھوں نے ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت ان کے مظالم کی تصور کشی مشہور انگریز مورخ اسٹینلے لین پول (StanleyLanpoel) نے کی ہے: صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچڑ ٹھونکے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑادیں گے۔ عیسائیوں نے اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ایک اور گواہی دیکھیے۔ ''بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتلِ عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہوکر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا''۔(☆۲۸)

پھر عیسائیوں کے سینکڑوں فرقوں کے باہمی تعلقات بھی کوئی رواداری پر مبنی نہیں، اس فرقہ پرستی کے ذریعے بھی مذہبی انتہا پسندی کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، یادرہے کہ ان کے یہ اختلافات ماضی قدیم سے چلے آرہے ہیں، چنانچہ کچھ عرصے قبل جنوبی امریکہ کی کونسل آف چرچز نے یہ فیصلہ کیا کہ چلی میں منعقد ہونے والی اسمبلی میں رومن

کیتھولک نمائندوں کو نہ بلایا جائے، اس فیصلے کی وجہ وہاں پروٹسٹنٹوں اور کیتھولک فرقوں کے باہمی اختلافات ہیں، جب کہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کونسل کے مقاصد میں اتحاد و اتفاق، مکالمہ اور باہمی تعاون بھی شامل ہے۔(☆۲۹)

اسی طرح دوسری جانب پروٹسنٹ راہنماؤں نے جو جنوبی میکسیکو کی ۴۰ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں کہا ہے کہ ہم گزشتہ بیس برس سے ظلم وستم برداشت کررہے ہیں، اور ہمارے ہزار ہا خاندانوں کو محض اس بنا پر ان کے گھروں سے بے دخل کردیا گیا ہے کہ انھوں نے پروٹسنٹ مسیحیت قبول کرکے مقامی روایات کی تکذیب کی ہے اور اب وہ مسیحی برادری کا حصہ نہیں رہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان کے متعدد گرجے بھی ضبط کرلیے گئے ہیں۔(☆۳۰)

اہم بات یہ ہے میکسیکو میں خود کیتھولک بھی دوگروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے بڑے مذہبی رہنما ایک طرف ہیں اور چھوٹے پادری اور عوام دوسری جانب ہیں۔(☆۳۱) اسی طرح آئرلینڈ میں بھی پروٹسنٹ اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین آویزش جاری ہے، چند سال قبل ان میں شدید ہنگامے پھوٹ پڑے اور یہ جھگڑا کئی ہفتوں تک جاری رہا، اس دوران پانچ تاریخی گرجے جلادیئے گئے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، حتی کہ مخالف فرقے کے گھر میں دستی بم پھینک کر تین معصوم بچوں کو ہلاک کردیا گیا۔ برطانیہ نے فوج منگوائی، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آئیں اور تب اس طرح حالات کو قابو کیا جاسکا۔(☆۳۲)

یہودیت: اگرچہ مذہبی انتہاپسندی سب ہی مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ لیکن یہودیت کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تو پوری تاریخ ہی انتہاپسندی سے پُر ہے اور ہر طرح کی انتہاپسندی یہودیوں کے مزاج کا حصہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ معلوم تاریخ میں ہمیں مذہبی انتہاپسندی کے بانی بھی یہی نظر آتے ہیں، چنانچہ اس نوع کی انتہاپسندانہ کارروائیوں کا پہلا سراغ سرزمین فلسطین پر سکرئی (Sicarii) فرقہ کی جدوجہد ۶۶ تا ۷۳ء کے دوران ملتا ہے۔ یہ ایک انتہائی منظم مذہبی گروہ تھا جو فلسطین میں یہودیت کے فروغ کے لیے معرض وجود میں آیا، اس دہشت گردی کے مختلف طریقے اختیار کیے اس نے اکثر ایسے مقامات پر حملوں کو فروغ دیا جہاں مجمع ہوتا تھا، اس گروہ کا مخصوص ہتھیار Sica نامی چھوٹی تلوار تھا جسے وہ اپنے کوٹ کی آستینوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ یہ قتل عام اس طرح کیا جاتا تھا کہ حملہ آور کی شناخت مشکل ہوجاتی تھی، اُنھوں نے گرجا گھروں کو تباہ کیا، لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہوں کو جلادیا گیا، قرض داروں کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ قرضہ واپس نہ کریں۔(☆۳۳) یہودیت کی انتہاپسندی کی داستان جیسا کہ عرض کیا گیا بہت طویل ہے لہٰذا سردست گفتگو کو اسرائیل اور مسئلہ فلسطین تک محدود رکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہودیوں کے کردار اور ان کی انتہاپسندانہ سرگرمیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور یہودی انتہاپسندی کی واضح مثال بھی ہے۔

فلسطین اسرائیل کے قیام سے قبل عرب دنیا کا ایک اہم حصہ تھا جو شام سے علاحدہ حیثیت رکھتا تھا، اس کی

آبادی نوے فیصد عرب تھی۔(☆۳۴) لیکن اعلان بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کا سیلاب فلسطین کی طرف اُمڈ پڑا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم اول کے بعد فلسطین میں آباد صرف ۲۶۰۰ یہودی جو مختلف دیہاتوں میں بکھرے ہوئے تھے، دیکھتے ہی دیکھے ۸۳ ہزار کی ایک منضبط اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمین دھڑا دھڑ بکنے لگی اور زمینوں کی کاشت اور منڈیوں سے عرب بے دخل کیے جانے لگے۔(☆۳۵) ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین کی سرزمین خود فلسطینیوں پر ہی تنگ ہوگئی اور وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بن گئے، آخرکار مئی ۱۹۴۸ء میں انھوں نے علاحدہ یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کر دیا، اس وقت سے آج تک ہر آنے والا لمحہ فلسطینیوں کے لیے درد والم کی نت نئی داستانیں لے کر آ رہا ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کی داستان ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتے ہیں: ''۱۹۴۸ء کے بعد مملکت اسرائیل نے مقامی عرب آبادی کو خود اپنے انسانی آثار اور نشانات مٹانے کے لیے استعمال کیا، اس کی کوشش یہ تھی کہ انہیں انسانوں کے ایک ایسے طبقے میں تبدیل کر دیا جائے جن کے پاس سوچنے کے لیے اپنا دفاع نہ ہو جو بمشکل حرکت کر سکیں اور اور مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رعایا بن جائیں، ۱۹٦۷ء کی جنگ کے بعد مغربی کنارے، جولان کی پہاڑیوں، غزہ کی پٹی اور سینائی کے مقبوضہ عرب علاقوں میں سفاکی، شقاوت اور درندگی نے ننگا ناچ ناچا، ایذا رسانی کا کون سا طریقہ تھا جو عربوں کے خلاف نہیں آزمایا گیا، انہیں عقوبت گاہوں میں پابند سلاسل رکھا گیا، ملک بدر کیا گیا، پورے پورے دیہات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، کیمیاوی ادویات چھڑک کر فصلوں اور درختوں کی ہریالی ختم کر دی گئی، مکانات کو زمین بوس کر دیا گیا، زمینیں ضبط کر لی گئیں، ہزاروں افراد پر مشتمل آبادیوں کی منتقلی عمل میں لائی گئی۔''(☆۳٦) یہودی صرف دوسرے مذاہب کے بارے میں انتہا پسند نہیں، بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی بھی فکری آزادی اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک زمانے میں ان میں ایک فاضل شخص ڈووبر پیدا ہوا، جو عام یہودیوں سے مختلف ذہن رکھتا تھا، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بالآخر یہودیوں کے اس وقت کے ایک راہنما اور اکیڈمی آف وانا کے سربراہ ایلی جاہ بین سولومن زیلمن (۱۷۲۰ء) نے اسے برادری سے خارج کر دیا اور ڈووبر کا اسی صدمے سے انتقال ہو گیا۔(☆۳۷)

غرض یہ کہ تمام ہی مذہب انتہا پسندانہ جذبات کا شکار ہیں، خود مغرب کا ریکارڈ بھی اسی حوالے سے چنداں لائق ستائش نہیں، حال ہی میں فرانس میں طالبات پر اسکولوں میں حجاب پر پابندی کا قصہ اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنا رہا ہے، پھر جب برطانیہ میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کے لیے الگ اسکولوں کی درخواست کی تو اس پر بھی اکثر غصے کا اظہار کیا گیا، حالانکہ یہی لوگ یہودیوں، رومن کیتھولکوں اور کوئیکرز (Quakers) کے لیے علاحدہ اسکولوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔(☆۳۸)

حواشی حوالہ جات:

☆١۔کیرن آرم اسٹرانگ(Karen armstrong)،مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال،اردو ترجمہ: Islam A short History)،لاہور نگارشات،٢٠٠٣ء،ص ١٨٠ ☆٢۔ Man in the modern world. P.131 ☆٣۔ Quoted by C.A.Coulsan..Science and Christian Belife ☆٤۔مولانا وحید الدین خاں، دین انسانیت، کراچی، فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹڈ، ١٩٩٧ء، ص ٣٠٠۔ ☆٥۔مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، ص ١٩٥ ☆٦۔کیرن آرم اسٹرانگ، خدا کے لیے جنگ، اردو ترجمہ: The Battle for God، لاہور، نگارشات ٢٠٠٣ء، ص ١٦ ☆٧۔ پروفیسر عبد الماجد، اسلام اور عصرِ حاضر کے مسائل کا حل، مانسہرہ، ہزارہ سوسائٹی فار سائنس ریلیجن ڈائیلاگ ٢٠٠٣ء، ص ١٣ ☆٨۔مولانا زاہد الراشدی، ماہنامہ الشریعہ، مدیر: حافظ محمد عمار خان ناصر، دسمبر ٢٠٠٣ء، ص ٤ ☆٩۔فرید وجدی، المدینۃ والاسلام، مصر، ص ١٤٣ ☆١٠۔ایضاً، ٥١ ☆١١۔ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ٣٥ ☆١٢۔ابوالحسن علی ندوی، ص ٤٥ ☆١٣۔منوشاستر، باب ٩، منتر ٣١٤ ☆١٤۔ منوشاستر، باب ٩، منتر ٣١٦ ☆١٥۔منوشاستر، باب ٨، منتر ٤١٧ ☆١٦۔منوشاستر، باب ٨، منتر ٣٦٤ ☆١٧۔منوشاستر، باب ٢، منتر ٢٧٢ ☆١٨۔چوہدی غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتاب خانہ ١٩٨٠ء، ص ١٠١ ☆١٩۔منشی عبد الرحمٰن خاں، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ٢٤ ☆٢٠۔ ایضاً، ص ٢٨ ☆٢١۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سید فضل الرحمٰن، تحریک پاکستان کے فکری محرکات، کراچی، زوار اکیڈمی، پبلی کیشنز، ١٩٩٧ء، ص ٧٠ ☆٢٢۔ Atrur Gilman, The Scaracens, London, 1887, P.184 ☆٢٣۔انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ٤٧ ☆٢٤۔محولہ بالا ☆٢٥۔محمد مارماڈیوک پکتھال، اسلامی کلچر، اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ٨٢ ☆٢٦۔ ہنڈرک وان لون، نوع انسان کی کہانی، لاہور ٢٠٠٢، ص ١٦٤ ☆٢٧۔اسٹینلے لین پول، سلطان صلاح الدین، ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ، ص ٢١ ☆٢٨۔ Encyclopaedia Britannica Col. vi, Art, "Crusades" ☆٢٩۔ ریکارڈ، لندن، ١٦ فروری ١٩٩٥ء ☆٣٠۔ایضاً ☆٣١۔ایضاً ☆٣٢۔ ماہنامہ الدعوۃ، لاہور، اگست ١٩٩٨ء ☆٣٣۔انعام الرحمٰن سحری، دہشت گردی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ١٩ ☆٣٤۔ چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ص ٤٠٥ ☆٣٥۔ پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ڈاکٹر محمد دین، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ یہودیت، پشاور، تاج کتب خانہ، ص ٢٩٣ ☆٣٦۔ ایڈورڈ سعید، مسئلہ فلسطین، ترجمہ: شاہد حمید، لاہور، ایلفا برادرز، ص ٣٣١ ☆٣٧۔ کیرن آرام اسٹرانگ، خدا کے لیے جنگ، اردو ترجمہ: The Battle for God لاہور، نگارشات ٢٠٠٣ء، ص ١٥٥ ☆٣٨۔ کیرن آرام اسٹرانگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، ص ١٩١

☆☆☆